ترجمان القرآن
میں جمالِ فطرت کا مطالعہ

ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا نور اور حسن ہے۔ اس نے اپنے نور و حسن کے اظہار کے لیے خوبصورت کائنات بنائی اور اس کے تعارف کے لیے قرآن کی شکل میں خوبصورت صحیفۂ ہدایت بھیجا۔ پھر انسانوں کو دعوت دی کہ وہ ایک طرف جمالِ کائنات کا مشاہدہ کریں، دوسری طرف قرآن کا مطالعہ کریں اور اس کے منطقی نتیجہ تک پہونچنے کی کوشش کریں۔ یعنی آثار کو دیکھیں اور مؤثر تک پہونچیں، مصنوعات کو دیکھیں اور صانع کی عظمت کا اعتراف کریں، تخلیق کو دیکھیں اور خالق کی رفعتوں کا اندازہ لگائیں اور مشاہدۂ فطرت کے اس سفر میں قرآن کو اپنا رہنما اور قائد بنائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کو اپنی طاقت کے بل پر نہیں منواتا، بلکہ اپنی تخلیق اور صناعی کے حوالہ سے اپنی خلاقیت کا کلمہ پڑھواتا ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء - ۱۹۵۸ء) نے قرآن کریم کی ترجمانی کرتے ہوئے، ان تمام مقامات کا نہایت باریکی، شگفتگی اور والہانہ انداز سے مطالعہ کیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے جمالِ فطرت، حسنِ کائنات اور کرشمۂ تخلیق کا اظہار یا اشارہ کیا ہے۔ پھر ان سارے بیانات کو اس خوبصورت انداز سے باہم مربوط کیا ہے کہ پورا قرآن فطرت کا حسین گلدستہ نظر آنے لگتا ہے۔ جہاں جمالِ فطرت کا اجمالی ذکر ہے وہاں مولانا آزاد کا قلم اس کی تفصیل اس طرح بیان کرتا ہے جیسے شبنم کے قطرے کلی کا منہ کھول کر اسے پھول بنا دیتے ہیں اور جہاں جہاں قرآن میں حسنِ فطرت کے مظاہر کی تفصیل اور اس کے مطالعہ کی دعوت ہے ان مقامات کو مولانا آزاد ایک مصور کی آنکھ سے دیکھتے اور شاعر کی زبان سے بیان کرتے ہیں۔ ایسے مقامات پر مولانا آزاد کا رہوارِ قلم اپنی جولانیاں دکھاتا اور قاری کو مسحور کر لیتا ہے۔

مولانا آزاد کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف قرآن کے مقاماتِ جمال کو جذب و کیف کے ساتھ لکھا ہے، بلکہ وہ مذاہب کے ماننے والوں اور حکما و فلاسفہ کے یہاں اس حسن کے مظاہر کو دیکھنے، سمجھنے اور ان کے اطلاق کی تعیین میں جو لغزشیں ہوئی ہیں ان کو بھی درست کرتے چلے جاتے ہیں اور حسنِ فطرت بے نقاب و بے غبار ہو کر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔

اردو تفسیروں کے ذخیرہ میں شاید ہی کوئی ایسی تفسیر ہو جس میں قرآن کے جمالیاتی مطالعہ پر اتنی توجہ دی گئی ہو جتنی کہ ترجمان القرآن میں نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب قاری ان مقامات کو پڑھتا ہے تو اسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کائنات کی پوری دلکشی، خوبصورتی اور رعنائی قرآنی آیات کے آئینہ میں جھلک رہی ہے اور وہ ایک خوبصورت ترین منظر نامہ میں اپنے خدا سے ہم کلام ہے اور اس کا دل بار بار پکارتا ہے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ بقول علامہ اقبال:

حسن آئینۂ حق اور دل آئینۂ حسن　　دلِ انساں کو تراحسنِ کلام آئینہ

ترجمان القرآن کے یہ مقامات روحِ قرآن اور حسنِ قدرت کا عاشقانہ اظہار بھی ہیں اور اردو زبان و ادب کا شاہکار بھی۔ جب فکر کی پاکیزگی فن کی خوبصورتی میں ڈھلتی ہے تو ادب عالیہ نمود پاتا ہے اور اس کی زندہ مثال مولانا آزاد کے یہ مباحث ہیں جو قرآنی جمالیات کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ مولانا آزاد نے جمالِ فطرت کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے۔

"فطرت کے افادہ و فیضان کی سب سے بڑی بخشائش اس کا عالمگیر حسن و جمال ہے۔ فطرت صرف بناتی اور سنوارتی ہی نہیں، بلکہ اس طرح بناتی اور سنوارتی ہے کہ اس کے ہر بناؤ میں حسن و زیبائش کا جلوہ اور اس کے ہر ظہور میں نظر افروزی کی نمود پیدا ہو گئی ہے۔ کائناتِ ہستی کو اس کی مجموعی حیثیت میں دیکھو یا اس کے ایک ایک گوشۂ خلقت پر نظر ڈالو اس کا کوئی رخ نہیں جس پر حسن و رعنائی نے ایک نقابِ زیبائش نہ ڈال دی ہو ستاروں کا نظام اور ان کی سیر و گردش، سورج کی روشنی اور اس کی بوقلمونی، چاند کی گردش اور اس کا اتار چڑھاؤ، فضاء آسمانی کی وسعت اور اس کی نیرنگیاں، بارش کا سماں اور اس کے تغیرات، سمندر کا منظر اور دریاؤں کی روانی، پہاڑوں کی بلندیاں اور وادیوں کا نشیب، حیوانات کے اجسام اور ان کا تنوع، نباتات کی صورت آرائیاں اور باغ و چمن

کی رعنائیاں، پھولوں کی عطر بیزی اور پرندوں کی نغمہ سنجی، صبح کا چہرۂ خنداں اور شام کا جلوۂ محجوب غرض یہ کہ تمام تماشا گاہِ ہستی حسن کی نمائش اور نظر افروزی کی جلوہ گاہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس پردۂ ہستی کے پیچھے حسن افروزی و جلوہ آرائی کی کوئی قوت کام کر رہی ہے جو چاہتی ہے کہ جو کچھ بھی ظہور میں آئے حسن و زیبائش کے ساتھ ظہور میں آئے اور کارخانۂ ہستی کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے بہشتِ راحت و سکون بن جائے۔

دراصل کائناتِ ہستی کا مایۂ خمیر ہی حسن و زیبائی ہے۔ فطرت نے جس طرح اس کے بناؤ کے لیے مادی عناصر پیدا کیے، اسی طرح اس کی خوب روئی اور رعنائی کے لیے معنوی عناصر کا بھی رنگ و روغن آراستہ کر دیا ہے۔ روشنی، رنگ، خوشبو اور نغمہ حسن و رعنائی کے وہ اجزا ہیں جن سے مشاطۂ فطرت چہرۂ وجود کی آرائش کر رہی ہے۔

مشاطہ را بگو کہ براسبابِ حسن بار
چیزے فزوکند کہ تماشا بما رسد[1]

مولانا آزاد سورۂ حجر کی آیت نمبر ۱۶ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں!

"یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جہاں قرآن نے جمالِ فطرت سے استدلال کیا ہے، یعنی اس بات سے استدلال کیا ہے کہ کائناتِ ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اور یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن و خوبی کے ساتھ بنے اور اس میں روحوں کے لیے سرور اور نگاہوں کے لیے عیش و نشاط ہو۔

اگر ایک صاحبِ رحمت ہستی کی یہ کارفرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؟ نہیں ہماری فطرت کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کاریگری ہے جو حسن و جمال ہے اور جس نے چاہا ہے کہ حسن و جمال کا فیضان ہو۔

یہاں فرمایا کہ آسمان کو دیکھو: عربی میں "سماء" کے معنی بلندی کے ہیں۔

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۰۲۔ ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۱۹۷۷ء

مکان کے لیے اس کی چھت اس کی "سماء" ہوتی ہے۔ پس یہ جو بلندی تمہیں نظر آرہی ہے کس طرح دیکھنے والوں کے لیے حسین و جمیل بنا دی گئی ہے! چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو، اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو، صبح جب اپنی ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے، شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ چھپتی ہے، گرمیوں میں صاف و شفاف آسمان کا نکھرنا، بارش میں بادلوں کا ہر طرف سے امنڈنا، شفق کی لالہ گونی، قوسِ قزح کی بوقلمونی، سورج کی ذرہ فشانی، غرض کہ آسمان کا کون سا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لیے زینت نہیں؟ جس میں دلوں کے لیے راحت و سکون نہیں؟[1]

مولانا آزاد نے آیتِ جمال کی ترجمانی کرتے وقت دوسری مماثل آیات کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور ان تمام آیات کے تناظر میں حسنِ فطرت کی جو دلکش تصویر ابھرتی ہے اس کی ایک جھلک دکھا کر یہ احساس دلایا ہے کہ قدرت کی کرشمہ سازیاں انسان کے لیے تسکین ذوقِ جمال، درسِ عبرت اور روحانی سعادت کے لیے بیش قیمت سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

"اسی طرح ان مقامات کا مطالعہ کرو جہاں خصوصیت کے ساتھ جمالِ فطرت سے استدلال کیا ہے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ (ق: ۶-۸)

(کیا کبھی ان لوگوں نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا نہیں کہ کس طرح ہم نے اسے بنایا ہے اور کس طرح اس کے منظر میں خوشنمائی پیدا کر دی ہے اور پھر یہ کہ کہیں بھی اس میں شگاف نہیں اور اسی طرح زمین کو دیکھو؟ کس طرح ہم نے اسے فرش کی طرح پھیلایا اور پہاڑوں کے لنگر ڈال دئے اور پھر کس طرح قسم قسم کی خوبصورت نباتات اگا دیں، پھر اس

---

[1] ترجمان القرآن جلد چہارم صـ۹۲

بندے کے لیے جو حق کی طرف رجوع کرنے والا ہے اس میں غور کرنے کی بات اور نصیحت کی روشنی ہے) وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ (الحجر: ۱۶) (اور دیکھو!) ہم نے آسمان سے ستاروں کی گردش کے لیے برج بنائے اور دیکھنے والوں کے لیے ان میں خوشنمائی پیدا کردی) وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (الملک: ۵) (اور دیکھو! ہم نے دنیا کے آسمان (یعنی کرۂ ارضی کی فضا) کو ستاروں کی قندیلوں سے خوش منظر بنا دیا) وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ (النحل: ۶) (اور دیکھو!) تمہارے لیے چارپایوں کے منظر میں جب شام کے وقت چراگاہ سے واپس لاتے ہو اور جب صبح لے جاتے ہو، ایک طرح کا حسن اور نظر افروزی ہے)[1]

مولانا آزاد اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حسن فطرت کے مظاہر کو اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھو ہی نہیں بلکہ اس کی قدر کرو، قدرت کے اس خوبصورت عطیہ پر شکر بجالاؤ، یہ نعمتیں فراوانی اور آسانی کے ساتھ تم کو دی گئی ہیں تو ان کی عظمت کے احساس سے غفلت نہ برتو۔ اگر یہ تم سے چھین لی جائیں تو تمہاری زندگی تاریک راہوں میں بھٹک کر رہ جائے گی اور تم خود اپنی زندگی سے بے زار ہو جاؤ گے۔

اس ضمن میں مولانا آزاد نے سورۂ لقمان کی حسب ذیل آیت سے استشہاد کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ (لقمان: ۲۰)	کیا تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب تمہارے لیے خدا نے مسخر کر دیا ہے اور اپنی تمام نعمتیں ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی پوری کر دی ہیں۔ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت ہو یا کوئی کتاب روشن۔

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۴۲

مولانا آزاد فیضانِ قدرت کی شکرگزاری کا احساس دلانے کے لیے مختلف جغرافیائی اور کائناتی مظاہر کو پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

"انسانی طبیعت کی یہ عالمگیر کمزوری ہے کہ جب تک وہ ایک نعمت سے محروم نہیں ہو جاتا، اس کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کر سکتا، تم گنگا کے کنارے بستے ہو، اس لیے تمہارے نزدیک زندگی کی سب سے زیادہ بے قدر چیز پانی ہے۔ لیکن اگر یہی پانی چوبیس گھنٹے تک میسر نہ آئے تو تمہیں معلوم ہو جائے اس کی قدر و قیمت کا کیا حال ہے۔ یہی حال فطرت کے فیضانِ جمال کا بھی ہے، اس کے عام اور بے پردہ جلوے شب و روز تمہاری نگاہوں کے سامنے سے گذرتے رہتے ہیں، اس لیے تمہیں ان کی قدر و قیمت محسوس نہیں ہوتی۔ صبح اپنی ساری جلوہ آرائیوں کے ساتھ روز آتی ہے۔ اس لیے تم بستر سے سر اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ چاندنی اپنی ساری حسن افروزیوں کے ساتھ ہمیشہ نکھرتی رہتی ہے، اس لیے تم کھڑکیاں بند کر کے سو جاتے ہو، لیکن جب یہی شب و روز کے جلوہ ہائے فطرت تمہاری نظروں سے روپوش ہو جاتے ہیں یا تم میں ان کے نظارے و سماع کی استعداد باقی نہیں رہتی تو غور کرو اس وقت تمہارے احساسات کا کیا حال ہوتا ہے؟ کیا تم محسوس نہیں کرتے کہ ان میں سے ہر چیز زندگی کی ایک بے بہا برکت اور معیشت کی ایک عظیم الشان نعمت تھی؟ سرد ملکوں کے باشندوں سے پوچھو جہاں سال کا بڑا حصہ ابر آلود گزرتا ہے، کیا سورج کی کرنوں سے بڑھ کر بھی زندگی کی کوئی مسرت ہو سکتی ہے؟ ایک بیمار سے پوچھو جو نقل و حرکت سے محروم بستر مرض پر پڑا ہے وہ بتائے گا کہ آسمان کی صاف اور نیلگوں فضا کا ایک نظارہ راحت و سکون کی کتنی بڑی دولت ہے۔ ایک اندھا جو کہ بیدائشی اندھا نہ تھا تمہیں بتا سکتا ہے کہ سورج کی روشنی اور باغ و بہار دیکھے بغیر زندگی بسر کرنا کیسی ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔"[1]

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۱۲

زندگی کی مصنوعی مسرتوں اور خود ساختہ سامانِ تعیش پر انسان جان دیتا ہے۔ وہ دولت کے انبار اور جاہ و اقتدار میں مسرت تلاش کرتا ہے۔ وہ قدرت کے فطری عطیات سے صرفِ نظر کر لیتا ہے۔ مولانا آزاد نے سکون و مسرت کے حقیقی سرچشمہ اور عمومی فیضان سے فیض یاب ہونے پر زور دیتے ہوئے کہا ہے:

"جس دنیا میں سورج ہر روز چمکتا ہو، جس دنیا میں صبح ہر روز مسکراتی اور شام ہر روز پردۂ شب میں چھپ جاتی ہو، جس کی راتیں آسمان کی قندیلوں سے مزین اور جس کی چاندنی حسن افروزیوں سے جہاں تاب رہتی ہو۔ جس کی بہار سبزہ کل سے لدی ہوئی اور جس کی فصلیں لہلہاتے ہوئے کھیتوں سے گراں بار ہوں، جس دنیا میں روشنی اپنی چمک، رنگ اپنی بوقلمونی، خوشبو اپنی عطر بیزی اور موسیقی اپنا نغمہ و آہنگ رکھتی ہو، کیا اس دنیا کا کوئی باشندہ آسائشِ حیات سے محروم اور نعمتِ معیشت سے مفلس ہو سکتا ہے؟ کیا کسی آنکھ کے لیے جو دیکھ سکتی ہو اور کسی دماغ کے لیے جو محسوس کر سکتا ہو، ایک ایسی دنیا میں نامرادی و بدبختی کا گلہ جائز ہے؟ قرآن نے جا بجا انسان کو اس کے اسی کفرانِ نعمت پر توجہ دلائی ہے۔ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ ابراہیم: ۳۴ (اور اس نے تمہیں وہ تمام چیزیں دیدیں جو تمہیں مطلوب تھیں اور اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی شمار نہیں کر سکو گے بلاشبہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے)[1]

ان عبارتوں میں سلاست و روانی، حسنِ بیان اور بلاغت کے علاوہ حسنِ مدعا کو قاری کے ذہن میں اتار دینے کی جو زبردست قوت ہے وہ اپنی آپ مثال ہے، انسان کو خوابِ غفلت سے جگانے اور حسنِ فطرت کا احساس اور اعتراف کرنے اور اس سے اپنی زندگی کو باغ و بہار بنانے کی زبردست دعوت موجود ہے۔ مولانا آزاد نے ایک دوسری جگہ اس کی مزید وضاحت اس طرح کی ہے:

---

[1] ایضاً

"ایک لمحہ کے لیے تصور کرو کہ دنیا موجود ہے، مگر حسن و زیبائی کے تمام جلووں اور احساسات سے خالی ہے۔ آسمان ہے مگر فضا کی یہ نگاہ پروری نہیں ہے۔ ستارے ہیں مگر ان کی درخشندگی وجہاں تابی کی یہ جلوہ آرائی نہیں ہے، درخت ہیں مگر بغیر سبزی کے، پھول ہیں مگر بغیر رنگ و بو کے، اشیا کا اعتدال، اجسام کا تناسب، صداؤں کا ترنم، روشنی و رنگ کی بوقلمونی، ان میں سے کوئی چیز بھی وجود نہیں رکھتی، یا یوں کہا جائے کہ ہم میں ان کا احساس نہیں ہے۔ غور کرو! ایک ایسی دنیا کے ساتھ زندگی کا تصور کیسا بھیانک اور ہولناک منظر پیش کرتا ہے؟ ایسی زندگی جس میں نہ تو حسن کا احساس ہو نہ حسن کی جلوہ آرائی، نہ نگاہ کے لیے سرور ہو نہ سامعہ کے لیے حلاوت، نہ جذبات کی دقت ہو نہ محسوسات کی لطافت، یقیناً عذابِ جاں کی ہی ایسی حالت ہوتی جس کا تصور بھی ہمارے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔

لیکن جس قدرت نے ہمیں زندگی دی، اس نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ زندگی کی سب سے بڑی نعمت، یعنی حسن و زیبائی کی بخشش سے بھی مالا مال کر دے، اس نے ایک ہاتھ سے ہمیں حسن کا احساس دیا، دوسرے ہاتھ سے تمام دنیا کو جلوۂ حسن بنا دیا۔"[1]

مناظرِ قدرت اور مظاہرِ فطرت میں بوقلمونی، نیرنگی اور اختلاف نظر آتا ہے۔ یہ سب حسنِ کائنات کی توسیع و تنوع اور تکمیل کے لیے ہے۔ قرآن میں جا بجا اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اس حکمتِ اختلاف کی اس طرح توجیہ کی ہے:

"انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ یکسانی سے اکتاتی ہے اور تبدیلی و تنوع میں خوشگواری و کیفیت محسوس کرتی ہے، پس اگر کائناتِ ہستی میں محض یکسانی و یک رنگی ہی ہوتی تو یہ دلچسپی اور خوش گواری پیدا نہ ہو سکتی جو اس کے ہر گوشہ میں ہمیں نظر آ رہی ہے، اوقات کا اختلاف، موسموں کا اختلاف، خشکی و تری کا اختلاف، مناظرِ طبیعت اور اشیاءِ خلقت کا

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۰۸-۹

اختلاف جہاں بے شمار مصلحتیں اور فوائد رکھتا ہے وہاں ایک بڑی مصلحت
دنیا کی زیب و زینت اور معیشت کی تسکین و راحت بھی ہے۔

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے[1]

مولانا آزاد نے مظاہر فطرت کے اختلاف کو ایک دوسرے پہلو سے حسنِ قدرت کا حصہ بتایا ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ بلبل و قمری کی نغمہ سنجیوں کے ساتھ زاغ و زغن کا شور و غوغا کیوں ہے؟ پھر انھوں نے اس کا جواب موسیقی کے زیر و بم اور اتار چڑھاؤ سے دیا ہے جن سے ہلکے سر بھی نکلتے ہیں اور موٹی اور بلند صدائیں بھی، پھر ان تمام سروں کے ملنے سے موسیقی کی حلاوت پیدا ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"یہی حال موسیقیٔ فطرت کے زیر و بم کا ہے۔ تمھیں کوے کی کائیں کائیں اور چیل کی چیخ میں کوئی دلکشی محسوس نہیں ہوتی، لیکن موسیقیٔ فطرت کی تالیف کے لیے جس طرح قمری و بلبل کا ہلکا سر ضروری تھا، اسی طرح زاغ و زغن کا بھاری اور کرخت سر بھی ناگزیر تھا، بلبل و قمری کو اس سرگم کا اتار سمجھو اور زاغ و زغن کو چڑھاؤ۔

بر اہل ذوق در فیض نمی بندد نوائے بلبل اگر نیست صوت زاغ شنو

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل : ۴۴)[2]

مولانا آزاد جب 'جمال فطرت' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو کائنات کے ظاہری حسن و جمال کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں، کیوں کہ روح اگر مجروح یا مفقود ہو تو جسم کی خوبصورتی بے معنی ہے۔ وہ اہلِ نظر کو جمال کے باطنی پہلو کی طرف متوجہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"پھر فطرت کی بخشائشِ جمال کے اس گوشہ پر بھی نظر ڈالو۔ اس نے جس طرح جسم و صورت کو حسن و زیبائی بخشی، اسی طرح اس کی معنویت کو

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۲۷ [2] ایضاً ص ۱۰۵

بھی جمال معنوی سے آراستہ کر دیا جسم وصورت کا جمال یہ ہے کہ ہر وجود کے ڈیل ڈول اور اعضا وجوارح میں تناسب ہے۔ معنویت کا جمال یہ ہے کہ ہر چیز کی کیفیت اور باطنی قوتوں میں اعتدال ہے، اسی کیفیت کے اعتدال سے خواص اور فوائد پیدا ہوتے ہیں اور یہی اعتدال ہے جس نے حیوانات میں ادراک و حواس کی قوتیں بیدار کر دیں، اور پھر انسان کے درجہ میں پہونچ کر جوہر عقل و فکر کا چراغ روشن کر دیا"۔ [1]

علامہ اقبال کے یہاں یہ نکتہ کسی قدر وضاحت کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں — غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے
غبارِ راہ کو بخشا گیا ہے ذوقِ جمال — خرد بتا نہیں سکتی کہ مدعا کیا ہے؟
ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی — ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

مولانا آزاد نے یہاں ایک خالص فلسفیانہ مسئلہ سے تعرض کیا ہے کہ مادی عناصر کی ترکیب وامتزاج سے ماورائے مادہ جوہر کس طرح وجود میں آیا؟ یعنی حیوانات میں احساس وادراک اور انسان میں عقل وفکر کا چراغ کس طرح روشن ہوا؟ اس کے جواب میں مولانا آزاد نے چیونٹی اور شہد کی مکھی کی مثال سے قدرت کی کرشمہ سازی کا تعارف کرایا ہے کہ کس طرح سوئی کے برابر دماغ رکھنے والے حقیر ذرے میں احساس وادراک، محنت واستقلال، ترتیب وتناسب، نظم وضبط اور صنعت واختراع کی ساری قوتیں مخفی ہوتی ہیں اور بطور نتیجہ لکھا ہے:

"قرآن کہتا ہے: یہ اس لیے ہے کہ رحمت کا مقتضا جمال تھا اور ضروری تھا کہ جس طرح اس نے جمالِ صوری سے دنیا آراستہ کر دی ہے اسی طرح جمالِ معنوی کی بخشائشوں سے بھی اسے مالا مال کر دیتی ہے ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ (السجدہ: ۷) [2]

قرآن میں جمالِ فطرت کا بیان مختلف اسالیب میں ہوا ہے اور بار بار ہوا ہے

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول صـ۱۱۲

اور اس کی تعبیر میں بھی مختلف الفاظ اور اصطلاحیں استعمال کی گئی ہیں۔ کہیں حسن کا لفظ استعمال ہوا ہے کہیں جمال کا، کہیں زینت کا، کہیں موزوں کا، کہیں تسویہ کا، کہیں عدل کا کہیں اتقان کا، اور کہیں تشبیہ و استعارہ کے پیرایہ میں گفتگو کی گئی ہے۔ مولانا آزاد نے ان اصطلاحوں کو ایک خاص ڈھنگ اور منطقی ترتیب سے پیش کیا جس سے قرآن میں مختلف مقامات پر استعمال شدہ یہ اصطلاحیں تسبیح کے دانوں کی طرح باہم مربوط نظر آتی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"جس چیز کو ہم جمال کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ موزونیت اور تناسب۔ یہی موزونیت اور تناسب ہے جو بناؤ اور خوبی کے تمام مظاہر کی اصل ہے۔ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ الحجر: ۱۹ (ہم نے زمین میں ہر چیز موزونیت اور تناسب رکھنے والی اگائی) اسی معنی میں قرآن 'تسویہ' کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ تسویہ کے معنی ہیں کسی چیز کو اسی طرح ٹھیک ٹھیک درست کر دینا کہ اس کی ہر بات خوبی و مناسبت کے ساتھ ہو، اَلَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى الاعلیٰ: ۳ (وہ پروردگار جس نے ہر چیز پیدا کی، پھر ٹھیک ٹھیک خوبی و مناسبت کے ساتھ درست کر دی اور وہ جس نے ہر وجود کے لیے ایک اندازہ ٹھہرایا، پھر اس پر زندگی کی راہ کھول دی) اَلَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ الانفطار: ۷ (وہ پروردگار جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر ٹھیک ٹھیک درست کر دیا، پھر اعتدال و تناسب ملحوظ رکھا، پھر جیسی صورت بنانی چاہی اسی کے مطابق ترتیب دے دی)

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے 'اتقان' سے بھی تعبیر کیا ہے یعنی کائنات ہستی کی ہر چیز کا درستگی و استواری کے ساتھ ہونا کہ کہیں بھی اس میں خلل، نقصان، بے ڈھنگاپن، اوچ نیچ، ناہمواری نظر نہیں آسکتی صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ النمل: ۸۸ (یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز درستگی و استواری کے ساتھ بنائی)[1]

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۲-۱۲۳

قدرت نے ہر چیز کو موزونیت اور توازن کے ساتھ بنایا ہے۔ یہی کائنات کے توازن اور حسن کا راز ہے، پرندوں کو دیکھئے اور پیڑ پودوں کو دیکھئے ان میں موزونیت کی ایسی حسین مثالیں موجود ہیں کہ دل اللہ کی صناعی پر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ چند پھول تو ایسے ہیں جیسے پھول سونگھی کہ جب تک ایک لمبی چونچ والی چڑیا ان کو چھوئے نہیں تو وہ کھلتے ہی نہیں۔ ایسی چڑیوں کی چونچ کی بناوٹ اور پھول کے لبوں کی بندش دونوں ایک دوسرے سے موزونیت کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ قدرت کے خزانے میں ایسی مثالیں بے شمار ہیں[1]۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے سورۂ الحجر کی تفسیر میں اس نکتہ کو اس طرح ابھارا ہے:

> "زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں سب کے لیے حکمتِ الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے جس سے کبھی باہر نہیں جا سکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھاس کے مقررہ انداز سے اور تناسب کے خلاف ہو۔ طرح طرح کے غلے طرح طرح کے پھول، طرح طرح پھل، طرح طرح کی سبزیاں، طرح طرح کے درخت طرح طرح کی گھاسیں ہر طرف اگ رہی ہیں اور نہیں معلوم کب سے اگ رہی ہیں۔ لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی ہے جس کی شکل، ڈیل ڈول، رنگ، خوش بو، مزہ اور خاصہ ایک خاص مقررہ اندازے پر نہ ہو اور ٹھیک ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو؟ گیہوں کا ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑ لو، گھاس کی ایک پتی سامنے رکھ لو اور دیکھو ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی ہیں اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ اگر حجم ہے تو اس کا ایک مقررہ اندازہ ہے۔ لاکھ مرتبہ بوؤ، کروڑ مرتبہ بوؤ، اس اندازے

---

[1] حیوانات اور نباتات، قدرت کی کرشمہ سازیوں کا سائنٹفک جائزہ پروفیسر حافظ شاہد احمد یحییٰ نے اپنی تازہ حسب ذیل کتاب میں لیا ہے: Importance of Wild Life Conservation from Islamic Perspective (New Delhi 2003)

میں فرق آنے والا نہیں۔ اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے۔ وہ چیز جب اگے گی اسی شکل میں اُگے گی۔ اگر رنگت ہے، خوش بو ہے۔ مزہ ہے خاصہ ہے تو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے اور یہ اندازہ قطعی ہے۔ دائمی ہے، اٹل ہے، امٹ ہے اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظہور میں آتا ہے گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتے، ایک ایک پھول کو تول تول کر بانٹ رہا ہے۔ ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے۔"[1]

دنیا کے بعض مذاہب نے روحانیت کے نام پر ترکِ دنیا کی تبلیغ کی ہے اور رہبانیت اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے۔ بودھ اور مزدک کے مذاہب میں رہبانیت کا عنصر موجود ہے، جب کہ عیسائی مذہب میں ایک غالب عنصر کی حیثیت میں بھرا ہے۔ مولانا آزاد رہبانیت کو اصلاً جمالِ روحانیت کی ضد سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک رہبانیت "زینت اللہ" کا انکار ہے، ان کے استدلال میں بڑا وزن ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا استعمال روحانی سعادت کے خلاف نہیں، بلکہ ان کا غلط استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔

سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۳۲ جس میں عبادت کے وقت زینت اختیار کرنے کا حکم ہے، اس کی تفسیر میں لکھا ہے:

"پیروانِ مذاہب کی عالم گیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے روحانی سعادت جبھی مل سکتی ہے کہ دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقتضیٰ یہ ہے کہ زینتوں اور آسائشوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے: حقیقت اس کے عین برعکس ہے، تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لیے ہیں کہ ترک کر دی جائیں، حالانکہ وہ اس لیے ہیں کہ کام میں لائی جائیں، دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک طور پر کام میں لانا مشیتِ الٰہی کو پورا کرتا ہے۔ خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے ہی لیے پیدا کیا ہے،

---

[1] ترجمان القرآن جلد چہارم ص ۹۹-۱۰۰

کھاؤ پیو، زینت و آسائش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گزر جاؤ، دنیا نہیں دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔ زندگی کی جن زینتوں کو پیروانِ مذاہب خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے انھیں قرآن "زینت اللہ" یعنی خدا کی زینتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی زینت کی بنیادیں الٹ دیں، وہ دنیا جو نجات وسعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی اب اسی نجات وسعادت کو دنیا کی تفسیر وترقی میں ڈھونڈھنے لگی[1]

تمام متکلین کی طرح مولانا آزاد نے بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو جمالِ کائنات کے مصادر کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اس کے اطلاقی پہلو کو غیر معمولی اہمیت دی ہے۔

ہرچہ دیدم در جہاں جز تو نیست یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

مولانا روم نے تو خاص طور پر حسنِ کائنات کو حسنِ قدرت کا انعکاس قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

خلق را چوں آب داں آب زلال اندر آں تاباں صفاتِ ذوالجلال

مولانا آزاد نے بھی ترجمان القرآن میں صفاتِ الٰہی کی تفسیر میں اس کے اطلاقی حسن کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے اور جمالِ کائنات کو صفاتِ الٰہی کے ظہور کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں!

"قرآن نے خدا کی صفتوں کا جو تصور ہم میں پیدا کرنا چاہا ہے وہ سرتاسر حسن وخوبی کا تصور ہے چنانچہ وہ خدا کی تمام صفتوں کو "حسنیٰ" قرار دیتا ہے یعنی خوبی وجمال کی صفتیں، یہ صفتیں کیا ہیں؟ قرآن نے جا بجا بیان کی ہیں اور شمار کی گئیں تو ۹۹ نکلیں۔ ان تمام صفتوں کے معانی پر غور کرو گے تو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کا تصور کس درجہ بلند اور کامل ہے۔ صرف ان صفات کے معانی پر تدبر کر کے ہم کائناتِ ہستی کے بے شمار اسرار و دقائق کی معرفت حاصل کر لے سکتے ہیں کیوں کہ یہاں جو کچھ ہے انہی صفا

---

[1] ترجمان القرآن جلد سوم صفحہ ۲

کا ظہور ہے[1]

اس ضمن میں مولانا آزاد نے یہودیت، عیسائیت اور بدھ مت میں پائے جانے والے تصوراتِ صفاتِ الٰہی کی نارسائیوں کا بھی محاسبہ کیا ہے اور قرآن کی مکمل تعبیرِ حسن کو اجاگر کرتے ہوئے کہا ہے!

"نزولِ قرآن کے وقت یہودی تصور میں قہر وغضب کا عنصر غالب تھا، مجوسی تصور نے نور وظلمت کی دو مساویانہ قوتیں الگ الگ بنالی تھیں، مسیحی تصور نے رحم ومحبت پر زور دیا تھا لیکن جزا کی حقیقت مستور ہوگئی تھی۔ اسی طرح پیروانِ بدھ نے بھی صرف رحم ومحبت پر زور دیا، عدالت نمایاں نہیں ہوئی۔ گویا جہاں تک رحمت وجمال کا تعلق ہے یا تو قہر و غضب کا عنصر غالب تھا، یا مساوی تھا یا پھر رحمت ومحبت آئی تھی تو اس طرح آئی تھی کہ عدالت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔

لیکن قرآن نے ایک طرف رحمت وجمال کا ایک ایسا کامل تصور پیدا کیا کہ قہر وغضب کے لیے کوئی جگہ ہی نہ رہی، دوسری طرف جزائے عمل کا سررشتہ بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا، کیوں کہ جزا کا اعتقاد قہر وغضب کی بنا پر نہیں، بلکہ عدالت کی بنا پر قائم کردیا۔ چنانچہ صفاتِ الٰہی کے بارے میں اس کا عام اعلان یہ ہے! قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ، اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ج۔ بنی اسرائیل: ۱۱۰ (اے پیغمبر! ان سے کہہ دو تم خدا کو اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جس صفت سے پکارو اس کی ساری صفتیں حسن وخوبی کی صفتیں ہیں)[2]

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ جمالِ کائنات اسماء حسنیٰ یا صفاتِ الٰہی کا انعکاس ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر قہاری وجباری کی صفات کو کس طرح عکسِ جمال ثابت کیا جائے گا۔ مولانا آزاد نے اس سوال کا بھی مناسب جواب دیا ہے:

"(اللہ کی صفات) میں ایسی صفتیں بھی ہیں جو بظاہر قہر وجلال کی صفتیں ہیں

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص۳۱۲ [2] ایضاً ص۳۱۴

مثلاً جبّار و قہّار لیکن قرآن کہتا ہے وہ اسماء حسنیٰ ہیں، کیوں کہ ان میں قدرت وعدالت کا ظہور ہوا ہے اور قدرت وعدالت حسن وخوبی ہے، خوں خواری وخوف ناکی نہیں ہے۔ چنانچہ سورۂ حشر میں صفاتِ رحمت وجمال کے ساتھ قہر وجلال کا بھی ذکر کیا ہے اور پھر متصلاً ان سب کو "اسماء حسنیٰ" قرار دیا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ (الحشر: ۲۳-۲۴)

(وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ الملک ہے، القدوس ہے، السلام ہے، المؤمن ہے، المہیمن ہے، العزیز الجبار ہے، المتکبر ہے اور اس سارے سے پاک ہے جو لوگوں نے اس کی معبودیت میں بنا رکھے ہیں۔ وہ الخالق ہے، البارئ ہے، المصوّر ہے۔ (غرض کہ) اس کے لیے حسن وخوبی کی صفتیں ہیں، آسمان وزمین میں جتنی بھی مخلوقات ہیں اس کی پاکی اور عظمت کی شہادت دے رہی ہیں اور بلاشبہ وہ ہی ہے جو حکمت کے ساتھ غلبہ توانائی بھی رکھنے والا ہے۔)[1]

مسلم فلاسفہ اور متکلمین کے یہاں اللہ کی صفتِ جمال کے ساتھ ساتھ صفتِ جلال کا موضوع یکساں دلچسپی اور توجہ کا حامل رہا ہے، ان دونوں صفات کو تعبیر وتکمیل کے لیے لازمی خوبیوں کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے اس نکتہ کی وضاحت اس طرح کی ہے:

نہ ہو جلال تو حسنِ جمال بے تاثیر — نرا نفس ہے اگر نغمہ ہو نہ آتش ناک
قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت — یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
بے تجلی نیست آدم را ثبات — جلوہ ما فرد وملت را حیات
ہر دو از توحید می گیرد کمال — زندگی ایں را جمال آں را جلال

اللہ کی صفاتِ کاملہ کے ذریعہ کائنات کی تخلیق، تعمیر اور تحسین وتزئین ہوئی

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول صـ۳۱۴

ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اللہ کی تین صفات: ربوبیت، رحمت اور عدالت جمالِ فطرت کا سرچشمہ ہیں۔ مولانا آزاد نے ان تینوں صفات کی اس طرح تشریح کی ہے اور مظاہرِ فطرت پر ان کا انطباق اس طرح کیا ہے کہ انسان محسوس کرنے لگتا ہے کہ قدرت کی مہربانیاں ہر آن کائنات پر سایہ فگن ہیں اور ہر لمحہ اس کے امنڈتے فیضان کو انسان اپنی برہنہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

"جس طرح کارخانۂ خلقت اپنے وجود و بقا کے لیے ربوبیت اور رحمت کا محتاج ہے اسی طرح عدالت کا بھی محتاج ہے۔ یہی تین معنوی عنصر ہیں جن سے خلقتِ ہستی کا قوام ظہور میں آیا ہے۔ ربوبیت پرورش کرتی ہے، رحمت افادہ و فیضان کا سرچشمہ ہے اور عدالت سے بناؤ اور خوبی ظہور میں آتی ہے اور نقصان و فساد کا ازالہ ہوتا ہے۔"[1]

ربوبیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ربوبیت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سودمند اشیاء کی موجودگی کے ساتھ ان کی بخشش و تقسیم کا بھی ایک نظام موجود ہے، اور فطرت صرف بخشتی ہی نہیں، بلکہ جو کچھ بخشتی ہے ایک مقررہ انتظام اور ایک منضبط ترتیب و مناسبت کے ساتھ بخشتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جس جس چیز کی ضرورت تھی اور جس جس وقت اور جیسی جیسی مقدار میں ضرورت تھی، ٹھیک ٹھیک اسی طرح انہی وقتوں میں اور اسی مقدار میں اسے مل رہی ہے اور اس نظم و انضباط سے تمام کارخانہ حیات چل رہا ہے۔"[2]

فضل و رحمت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"برہانِ ربوبیت کی طرح برہانِ فضل و رحمت بھی اس کی دعوت و ارشاد کا ایک عام اسلوبِ خطاب ہے۔ وہ کہتا ہے! کائناتِ خلقت کی ہر شے میں ایک مقررہ نظام کے ساتھ رحمت و فضل کے مظاہر کا موجود

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول صـ۲۲۳ [2] ترجمان القرآن جلد اول صـ۲۶

ہونا قدرتی طور پر انسان کو یقین دلا دیتا ہے کہ ایک رحمت رکھنے والی ہستی کی کارفرمائیاں یہاں کام کر رہی ہیں، کیوں کہ ممکن نہیں فضل و رحمت کی یہ پوری کائنات موجود ہو اور فضل و رحمت کا کوئی زندہ ارادہ موجود نہ ہو۔ چنانچہ وہ تمام مقامات جن میں کائناتِ خلقت کے افادہ و فیضان، زینت و جمال، موزونیت و اعتدال، تسویہ و اقوام اور تکمیل و اتقان کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل اسی استدلال پر مبنی ہیں: وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ البقرہ: ۱۶۳ (اور دیکھو تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات، رحمت والی اور اپنی رحمت کی بخشائشوں سے ہمیشہ فیض یاب کرنے والی)[1]

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

"انسانی علم و نظر کی کاوشیں آج تک یہ عقدہ حل نہ کر سکیں کہ یہاں تعمیر کے ساتھ تحسین کیوں ہے؟ مگر قرآن کہتا ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ خالقِ کائنات "الرحمٰن" اور "الرحیم" ہے، یعنی اس میں رحمت ہے اور اس کی رحمت اپنا ظہور و فعل بھی رکھتی ہے۔ رحمت کا مقتضیٰ یہی تھا کہ بخشش ہو، فیضان ہو، جود و احسان ہو، پس اس نے ایک طرف تو ہمیں زندگی اور زندگی کے تمام احساس و عواطف بخش دیے، جو خوشنمائی اور بدنمائی میں امتیاز کرتے اور خوبی و جمال سے کیف و سرور حاصل کرتے ہیں، دوسری طرف کارگاہِ ہستی کو اپنی حسن آرائیوں اور جاں فزائیوں سے اس طرح آراستہ کر دیا کہ اس کا ہر گوشہ نگاہ کے لیے جنت، سامعہ کے لیے حلاوت اور روح کے لیے سرمایۂ کیف و سرور بن گیا فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ المومنون: ۱۴ (پس کیا ہی بابرکت ذات اللہ کی، بنانے والوں میں سب سے زیادہ حسن و خوبی کے ساتھ بنانے والا)[2]

صفتِ عدالت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۴۰ [2] ایضاً ص ۱۰۴

"تم نے ابھی ربوبیت اور رحمت کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے، اگر ایک قدم آگے بڑھو، اسی طرح عدالت کا مقام بھی نمودار ہو جائے، تم دیکھو گے کہ اس کارخانۂ ہستی میں بناؤ، سلجھاؤ، خوبی اور جمال میں سے جو کچھ بھی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عدل و توازن کی حقیقت کا ظہور ہے۔ ایجاب و تعمیر کو تم اس کی بے شمار شکلوں میں دیکھتے ہو اور اس لیے بے شمار ناموں سے پکارتے ہو، لیکن اگر حقیقت کا سراغ لگاؤ تو دیکھ لو کہ ایجاب و حقیقت یہاں صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے عدل و اعتدال۔ "عدل" کے معنی ہیں برابر ہونا، زیادہ نہ ہونا، اسی لیے معاملات اور قضایا میں فیصلہ کر دینے کو عدالت کہتے ہیں کہ حاکم دو فریقوں کی باہم دیگر زیادتیاں دور کر دیتا ہے، ترازو کی تول کو بھی معادلت کہتے ہیں، کیوں کہ وہ دونوں پاٹوں کا وزن برابر کر دیتا ہے۔ یہی عدالت جب اشیاء میں نمودار ہوتی ہے تو ان کی کمیت اور کیفیت میں تناسب پیدا کر دیتی ہے۔ ایک جزء کا دوسرے جزء سے کمیت یا کیفیت میں مناسب و موزوں ہونا عدالت ہے۔

اب غور کرو! کارخانۂ ہستی میں بناؤ اور خوبی کے جس قدر مظاہر ہیں کس طرح اسی حقیقت سے ظہور میں آئے ہیں۔ وجود کیا ہے؟ حکیم بتلاتا ہے کہ عناصر کی ترکیب کا اعتدال ہے، اگر اس اعتدالی حالت میں ذرا بھی فتور واقع ہو جائے، وجود کی نمود معدوم ہو جائے۔ جسم کیا ہے؟ جسمانی مواد کی ایک خاص اعتدالی حالت ہے، اگر اس کا کوئی ایک جزء بھی غیر معتدل ہو جائے، جسم کی ہیئتِ ترکیبی بگڑ جائے، صحت و تندرستی کیا ہے؟ اخلاط کا اعتدال ہے، جہاں اس کا قوام بگڑا، صحت میں انحراف ہو گیا۔ حسن و جمال کیا ہے؟ تناسب و اعتدال کی ایک کیفیت ہے۔ اگر انسان میں ہے تو خوبصورت انسان ہے، نباتات میں ہے تو پھول ہے، عمارت میں ہے تو تاج محل ہے۔ نغمہ کی حلاوت کیا ہے؟ سروں کی ترکیب کا تناسب و اعتدال۔ اگر ایک سر بھی بے میل ہوا، نغمہ کی کیفیت جاتی رہی۔[1]

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول صـ۲۲۳

مولانا آزاد نے کائنات کے حسن وجمال سے قیامت پر استدلال کیا ہے اور یہی وہ استدلال ہے جن کو مفسرین آفاق وانفس کا نام دیتے ہیں۔ خدا کی جو رحمت دنیا کو چمن زار بناتی ہے وہ اپنا فیضان آخرت تک پھیلاتی ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"اگر رحمت کا مقتضیٰ یہ ہوا کہ دنیا میں اس خوبی وکمال کے ساتھ زندگی کا ظہور ہو تو کیوں کر یہ بات باور کی جا سکتی ہے کہ دنیا کی چند روزہ زندگی کے بعد اس کا فیضان ختم ہو جائے اور خزانۂ رحمت میں انسان کی زندگی اور بناؤ کے لیے کچھ باقی نہ رہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۭ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ

(بنی اسرائیل: ۹۹-۱۰۰)

(کیا ان لوگوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ اللہ جس نے آسمان اور زمین پیدا کیے ہیں یقیناً اس بات پر عاجز نہیں ہو سکتا کہ ان جیسے (آدمی دوبارہ) پیدا کر دے، اور یہ کہ ان کے لیے اس نے ایک مقررہ وقت ٹھہرا دیا ہے جس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں؟ (افسوس ان کی شقاوت پر) اس پر بھی ان ظالموں نے اپنے لیے کوئی راہ پسند نہ کی، مگر حقیقت سے انکار کرنے کی (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو اس حالت میں یقیناً تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روکے رکھتے (لیکن یہ اللہ ہے جس کے خزائنِ رحمت، نہ کبھی ختم ہو سکتے ہیں نہ اس کی بخشائشِ رحمت کی کوئی انتہا ہے۔)[1]

---

[1] ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۴۶

خلاصۂ کلام یہ کہ مولانا ابو الکلام آزاد نے ترجمان القرآن میں حیات و کائنات اور قیامت کا ربط حسنِ فطرت سے قائم کیا ہے اور قرآن کریم کو حسنِ فطرت کے شاہکار اور آئینہ دار کی حیثیت سے پیش کیا ہے، قدرتِ کاملہ کی کاریگری اور صنعت گری کے جلوۂ حسن کا تعارف کرایا ہے اور سعید روحوں کو آواز دی ہے کہ آؤ حسنِ قدرت سے عشق کرو اور اس کے پیچھے کارفرما ہستی کے آگے جبینِ نیاز جھکا دو۔

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی اردو مطبوعات

کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱۔ معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدر الدین اصلاحی	۲۱۶	۲۵/-
۲۔ غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	مولانا سید جلال الدین عمری	۳۳۲	۱۰۰/-
۳۔ صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	"	۳۸۸	۱۷۵/-
۴۔ مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	"	۲۰۰	۶۰/-
۵۔ اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور	"	۱۷۶	۴۰/-
۶۔ اسلام اور مشکلاتِ حیات	"	۸۸	۸/-
۷۔ مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰/-
۸۔ مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام	"	۱۰۲	۲۰/-
۹۔ وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	"	۱۹۲	۴۰/-
۱۰۔ آزادئ فکر و نظر اور اسلام	"		۴۰/-
۱۱۔ قرآن اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰/-
۱۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام	"	۲۰۰	۴۰/-

:- ملنے کے پتے :-

مکتبہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور۔ علی گڑھ ۔ ۲
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز۔ دعوت نگر۔ ابوالفضل انکلیو۔ نئی دہلی ۲۵